ڈاکٹر جان ایل

ایک امریکی محقق کا اعتراف

مغربی اہل علم نے اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے

ڈاکٹر جان ایل اسپوزیٹو ورسٹر (میساچوسٹس) میں ہولی کراس کالج کے مذہبی علوم کے شعبہ کے چیئرمین ہیں۔ انہوں نے مسلم ممالک میں بڑے پیمانہ پر تحقیق کی ہے اور مسلم عائلی قانون اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے موضوع پر بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ وہ اس وقت ایک کتاب "اسلام۔ مسلمانوں کی زندگی کی صراط مستقیم" پر کام کر رہے ہیں۔

مجھے حال ہی میں پاکستان کے ایک تحقیقاتی سفر کے سلسلے میں ایک بار پھر مسلم دنیا میں جانے کا موقعہ ملا۔ اور میں نے پاکستان کے علاوہ مصر۔ بحرین اور بنگلہ دیش کا دورہ کیا۔ اس سفر کے دوران میں نے یونیورسٹیوں اور اسلامی اداروں میں تقریریں کیں۔ اور وزیروں۔ پروفیسروں۔ علماء۔ ججوں۔ وکیلوں سمیت متعدد مسلمانوں سے گفتگو کی۔

اس مضمون میں بعض ان سوالات اور مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ جو مختلف مجالس تذکرہ و مباحثہ میں زیر غور آئے۔ اور وہ دلچسپی کے ان تین بڑے موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکہ میں اسلام میں اچانک دلچسپی پیدا ہو جانے کے اسباب، اسلام سے متعلق غلط فہمیوں کے اسباب اور اسلام کی دعوت کے خلاف عملی منافرت۔

اسلام سے اچانک دلچسپی کیوں؟ گذشتہ سال کے دوران امریکہ میں اسلام سے جو دلچسپی نمایاں ہوئی ہے اس کے اسباب بالکل عملی ہیں۔ یعنی تیل پیدا کرنے والے عرب ملکوں کا اقتصادی قوت کی حیثیت سے ابھرنا اور ایران۔ پاکستان اور افغانستان جیسے کئی مسلمان ملکوں میں سیاسی بے چینی کا پایا جانا۔ ان واقعات کی

بنا بر اہل امریکہ کو اچانک یہ اندازہ ہوا کہ اس حقیقت کے باوجود کہ اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ بیشتر امریکی مسلمانوں اور ان کی طرزِ زندگی کے بارے میں بہت کم واقفیت رکھتے ہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک مذہب ہے جسے غالباً سب سے زیادہ غلط سمجھا گیا ہے۔ اس وجہ سے میں اکثر اپنے تعارفی نصاب کا یہ عنوان رکھتا ہوں ۔"اسلام وہ مذہب ہے جسے غلط سمجھا گیا۔

اسلام کے بارے میں اتنی غلط فہمی کیوں؟ اہل امریکہ کے اسلام کو سمجھ نہ پانے کے بہت سے اسباب ہیں پہلے سبب کا تعلق مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات اور توسیع کے دور سے ہے۔ اسلامی دور کے پہلی صدی میں اسلام کا پھیلاؤ ایک بڑا اہم تم بالشان واقعہ ہے۔ محض سو سال کے عرصہ میں ایک اتنی بڑی سلطنت کبھی قائم نہیں ہو سکی تھی اور مسیحی دنیا یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ اس کی وجہ سے خود اس کا اپنا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔

ایک ممتاز عیسائی ماہر دینیات نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اپنے ارتقا کی ابتدائی صدیوں میں مسیحیت بیرونی خیالات اور اثرات کو قبول کر لیتی تھی۔ لیکن ساتویں یا آٹھویں صدی میں اسلام کی توسیع کے ردِ عمل کے طور پر عیسائی مذہب نے بیرونی اثرات کے دروازے اپنے اوپر بند کر لئے۔ اس بے اعتمادی میں صلیبی جنگوں کے باقی اثرات کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہو گیا۔ مثال کے طور پر اگر بیسویں صدی تک کے مغربی ادب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ دانتے والٹیر اور رینان جیسے ذہین اور با خبر ادیبوں نے اسلام توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔

اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کے سلسلے میں مستشرقیت نے بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ مستشرقین نے اسلامی علوم کے ضمن میں جو کام کیا ہے اس کا ہمیں یقیناً اعتراف کرنا چاہئے۔ انہوں نے ان مخطوطات کو جو عرصہ دراز ہوا فراموش ہو چکے تھے جمع کیا۔ ان کی تدوین کی۔ اور ان کے ترجمے کئے۔ ان کی ان کاوشوں ہی کے نتیجہ میں اسلامی تاریخ اور روایات کی گراں قدر باقیات کی بازیابی ممکن ہوئی تاہم بہت سے مستشرقین کی تحریروں میں اس وقت سنگین نوعیت کی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں جب وہ اسلام کی تعبیر پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا بہت ہی ضروری ہے کہ اٹھارہویں صدی سے اب تک جتنے بھی مستشرقین پیدا ہوئے ہیں وہ مغربی نو آبادیاتی یہودی مسیحی مذہبی پس منظروں کے پیداوار تھے۔ اس پس منظر کا ایک جز ثقافتی اور مذہبی تعصب بھی ہے جو خود کو کسی دوسری ثقافتی روایات سے افضل تر گردانتا رہا ہے۔

امریکہ میں اس غلط فہمی کو جو چیز آہستہ آہستہ دور کر سکتی ہے وہ اس بات کا ادراک ہے کہ ہمارے پاس علماء اور مطبوعات کی شکل میں وسائل کی کمی ہے۔ اور اس وقت ہمارے پاس جو وسائل موجود ہیں وہ ہمیں دنیائے اسلام کے واقعات کو کماحقہٗ سمجھانے میں ناکام رہے ہیں۔ اس ادراک کا اظہار کہ اس سلسلے میں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام اور دنیائے اسلام سے متعلق کانفرنسوں اور مجالس مذاکرہ کے بڑی تعداد میں انعقاد اور مطبوعات کی اشاعت سے ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ امریکہ میں ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر اسلامی علوم سے متعلق نصابات روز افزوں طور پر شروع کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے لئے درسی اور تعلیمی مواد تیار کرنے کے مقصد سے متعدد بڑے بڑے منصوبے شروع کئے گئے ہیں۔

ایک اور واقعہ جس پر کم توجہ دی گئی ہے لیکن جو بڑی اہمیت کا حامل ہے وہ تبادلہ خیال ہے جو عیسائیت اور اسلام اور کسی قدر کم درجے میں یہودیت کے درمیان ہو رہا ہے۔ چنانچہ کلیساؤں کی عالمی کونسل ڈکمین کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تعلقات سے متعلق دفتر اور بین المذاہب امن مجلس (جس کا نام حال ہی میں بدل کر "یہودی اسلامی مسلم کانفرنس" رکھ دیا گیا ہے) جیسی تنظیموں نے اہل علم اور مذہبی رہنماؤں کی بین الاقوامی اور قومی کانفرنسوں کا اہتمام کیا ہے۔ اس قسم کے پروگرام انگلستان کی اسلامک فاؤنڈیشن، واشنگٹن ڈی سی کے اسلامک سنٹر اور شمالی امریکہ اور کناڈا کے مسلم طلبا کی انجمن جیسی مسلم تنظیموں کے تعاون سے بنائے گئے ہیں ان کانفرنسوں میں مشترکہ دینیاتی ذرائع اور دن بدن بین الاقوامی امن اور معاشرتی معاشی انصاف کے موضوع کی چھان بین کی جا رہی ہے۔ اس قسم کے بنیادیں ومشترکہ ایمان جو یہ تینوں ابراہیمی مذاہب رکھتے ہیں ایک اور واحد حی وقیوم خدا اس کی وحی اس کے پیغمبروں پر یقین اور مشترک مقصد یعنی رضائے الٰہی کا حصول ہیں۔

اسلامیانے کا عمل مسلمان ملکوں کی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں اسلام کی جھلک میں اضافے کی خبریں مغرب میں "احیائے اسلام" اور اسلام کی پیش قدمی جیسے فقروں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ فقرے گمراہ کن بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ کئی اعتبار سے ان فقروں میں مغربی حکومتوں اور اہل علم لوگوں کو وہ ادراک جھلکتا ہے جو انہیں اچانک ہوا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا کہ اسلام کو نہ صرف دیہی علاقوں اور روایتی تعلیم یافتہ لوگوں میں بلکہ تعلیم یافتہ ججوں، قانون دانوں، ڈاکٹروں، انجینیروں اور کاروباری لوگوں میں بھی بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور ان کا بھی ایمان اور عمل اسلام پر ہی رہا ہے۔

علاوہ ازیں مغرب میں یہ مفروضہ کارفرما رہا ہے۔ کہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ رہنا چاہیئے یہ لادینی تصور ترقی اور جدیدیت سے متعلق ان نظریات کا بنیادی طور پر ایک جز معاملہ ہے۔

مغرب کے عیسائیوں کا یہ تصور انجیل کی اس تعلیم پر مبنی ہے کہ "قیصر کو دو، جو قیصر کا حق ہے اور خدا کو دو

جو خدا کا حق ہے"۔ بہت سے لوگوں کی نظر میں کلیسا اور مملکت کی علیحدگی کا تصور اس عقیدے کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔

قدرتی طور پر اس قسم کا موقف مذہب اور مملکت کے درمیان اس نامیاتی تعلق کا ادراک کرنے میں ایک رکاوٹ بن جاتا ہے جو اسلام کے روائتی کائناتی تصور میں ملتا ہے۔ اس طرح مغربی ذہن کے لئے اس عقیدے کو پوری طرح سمجھنا دشوار ہے۔ کہ اسلام ایک مکمل طرز حیات ہے۔

مسلمان حکومتوں کو سمجھنے اور مشورہ دینے کے سلسلے میں مغربی کوششوں کی راہ میں اس بنا پر اور بھی رکاوٹیں پیش آئیں کہ اس حقیقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ اسلام کے نظریہ کائنات میں جو عقائد و اقدار مضمر ہیں وہ سیاسی۔ اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے نمونوں اور متعلق لوگوں کی تاریخوں کے درمیان ایک ایسے تعلق کے متقاضی ہیں جس کا عملی مظاہرہ کیا جا سکے۔ روایات پسندی اور جدیدیت کے درمیان ایک تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔

مزید برآں مسلم ممالک کے مغربی انداز رکھنے والے ان زعماء نے جنہوں نے مغرب کے نمونے پر ایک مملکت قائم کرنے کی کوشش کی۔ روایات کی قدر و قیمت کو خاطر خواہ حد تک تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے جن نمونوں پر بھروسہ کیا وہ ۲۰۰ سال کی مدت میں مغرب میں قائم ہوئے تھے اور مغرب کی تاریخ اور قدروں کی پیداوار تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان پر کوئی تنقیدی نظر نہیں ڈالی گئی۔ اور انہیں جوں کا توں ان ثقافتوں میں اختیار کر لیا گیا جس کی اپنی تاریخ اور قدریں تھیں۔

اس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہو گئے جیسی کہ صورت انسانی اعضاء کی تبدیلی کی ہے اگر عضو دینے اور لینے والے کے درمیان کوئی مشترکہ عنصر نہ ہو تو اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ عضو لینے والا جسم عضو کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسے رد کر دے گا۔ اسی طور پر ہم اس وقت متعدد مسلمان ملکوں جہاں سیاسی تقاضوں اور ان کی اہم نوعیت کی معاشرتی اقتصادی ضروریات پوری نہ کر پانے کے سلسلے میں مایوسی روز افزوں طور پہ بڑھتی جا رہی ہے ثقافتی تسلسل کے اس مسئلہ کو کارفرما دیکھ رہے ہیں۔

بلاشبہ یہ احساس موجود ہے کہ مغرب کی کورانہ غیر تنقیدی تقلید نے معاشرتی اختلال اور اخلاقی انحطاط میں بڑا حصہ لیا ہے اس کی وجہ سے خود اپنی تاریخ اور ثقافت پر نظر میں ڈالنے کا رجحان بڑھ گیا ہے (شمالی افریقہ سے جنوبی افریقہ تک) دنیائے اسلام میں ایسا کرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وسیع ثقافتی فرق کے باوجود ان سب میں اسلام کا ایک مشترک عنصر موجود ہے چنانچہ خود اپنی تاریخ اور روایات پر مبنی ایک زیادہ مستند شخص کی جستجو کے نتیجے میں یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام واپس لوٹا جائے۔

ان مملکتوں کو جو اپنے لئے اسلامیانے کی راہ کا انتخاب کرتی ہیں ایک بہت بڑے چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے

جدید اسلامی مملکتیں قائم کرنے کے عمل میں سیاسی اور اقتصادی نمونوں کا قیام بھی شامل ہے جس کی وجہ سے عمل درآمد کے سلسلہ میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں جو بات ذہن میں رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اسلامیانے کا عمل ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے ایک طویل عبوری مدت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے ایک رات کے اندر حاصل کیا جائے۔

اس لئے ہم اس وقت جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ایک ایسے عمل کا آغاز ہے جسے بہت سے ضعف پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی توقع رکھی جائے اور اسے برداشت کیا جائے اگر اس سلسلے میں حد سے زیادہ تیز رفتاری اختیار کی جائے گی تو بھلائی سے زیادہ دشواری پیش آسکتی ہے۔ اگر مثال کے طور پر سیاسی۔ معاشرتی اور اقتصادی نظاموں میں کوئی تبدیلی اس کے مضمرات اور باقی ماندہ نظاموں کے ساتھ اس ہم آہنگی پر غور کئے بغیر کی گئی تو بڑا عدم توازن پیدا ہوجانے کا امکان ہے۔

اس لئے اس عبوری دور میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ مسلمان اپنی فکر کو مجتمع کرنے میں ایسے ماہروں کی جماعتیں تیار کرے جو اسلامی شعبوں کی بھی نمائندگی کرسکیں اور جن کا کام ایسے سیاسی اقتصادی نظام بنانا ہو جو جدید بھی ہوں اور اسلامی بھی۔

اسلامیانے کے سلسلے میں ایک مدت تک تجربے کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ ان تجربوں میں جو بات مثبت ثابت ہوگی اسے اسلامی نظام میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اور جو بات ناقص ثابت ہوگی اسے مسترد کیا جاسکتا ہے اور یا پھر اس پر نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے۔ کہ ان مسلمان ملکوں کو جنہوں نے نوآبادیاتی دور سے نکل کر خود مختاری حاصل کی انہیں اس عبوری دور کو ختم کرنے میں صرف چند عشرے لگے۔ جسے ختم کرنے میں مغرب کو کئی صدیاں لگ گئیں اس وقت بھی مغربی دنیا کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے بہت سے تسلیم شدہ مفروضوں پر از سر نو تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔

ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ جدید دور کے تقاضوں کے ضمن میں خود اپنے جواب مرتب کرتے ہوئے مسلمانوں کے پاس ایک مثال موجود ہے جس سے وہ بخوبی استفادہ کرسکتے ہیں یہ مثال اسلام کے ابتدائی تشکیلی دور کی ہے جب مسلم برادری نے قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملنے والے اصولوں اور قدروں کی روشنی میں اسلامی طرز حیات کی تشکیل کی تھی۔ اس کے نتیجے میں شریعت مرتب ہوئی جو ایک جامع ضابطہ حیات یعنی وہ مثالی زندگی پیش کرتی ہے جس کی جانب امت محرکات اور راہنمائی کے لئے دیکھ سکتی ہے۔ اس طرح عصر جدید کا کام یہ نظر آسکتا ہے کہ ابتدائی اسلامی تاریخ اور اسلام کے ماخذوں کی جانب لوٹا جائے۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی برادری کو جو چیلنج درپیش ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ مسلمان معاشروں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے اسلامی قدروں کی تخلیقی انداز میں از سر نو تشریح کی جائے اور انہیں از سر نو نافذ کیا جائے۔